"شعرِ عربی کی مختصر تاریخ"

از
جناب پروفیسر ڈاکٹر سید رغیب حسین - ایم - اے
(پی - ایچ ڈی، صدر شعبۂ فارسی - بریلی کالج بریلی)

(دورِ جاہلیہ)

عرب اور شعر گوئی | عرب ایک خانہ بدوش اور صحرا نورد قوم تھی - جب کہیں مقیم ہوتی اس وقت تو اس کی فطری صلاحیتیں عشق و محبت کی حسین دلچسپیوں میں یا ضیافت و سخاوت کی شہرت طلبیوں میں یا سیر بینی و شکار افگنی کے مشغلوں میں یا جنگ اور لوٹ مار کے پیشوں میں ظاہر ہوتیں - لیکن جس وقت وہ قوم سفر کرتی اُس وقت بھی اس کی فطری صلاحیتیں اور ذہنی جدّتیں اور جَودتیں، بیکار اور زنگ خوردہ نہیں رہتی تھیں - اس وقت وہ صلاحیتیں دوسری شکلوں میں ظاہر ہوتیں -

سفر کے باعث ایک طرف تو ان کے ذہنوں کو دوسرے مشاغل سے یک سوئی ملتی اور دوسری طرف میدانوں کی خوشگوار، اور بعض اوقات خوشبو دار ہوا لگ کر ان کے دلوں میں سرور و نشاط اور دماغ میں تازگی پیدا کر دیتی - اور تنہائی کے ان لمحات میں اکثر ان کے دلوں کے اندر ایک نئی تحریک اور گدگدی پیدا ہوتی - ایسے میں جب انھوں نے اونٹوں کے پاؤں سے دَب دَب کی آواز کو غور سے سُنا جو برابر کے وقفوں اور موزوں ٹھکوں کے ساتھ چلنے میں ان کے پاؤں اور موزوں سے نکلتی تو ان کی فطری ذہانت نے ان کے دل و دماغ میں پہلے وزن کا ایک سادہ تخیل پیدا کیا اور اس موزونیت سے ان کی روح کیف

اندوز ہونے لگی۔ وزن کے اس سادہ تخیل کے بعد سجع کا ایک مبہم اور دھندلا خاکہ ان کے ذہنوں میں اُبھرنے لگا۔ اور پھر مختلف رفتاروں (مثلاً دُلکی۔ سرپٹ۔ قدم وغیرہ) کے باعث "دَب دَب" کے کھٹکے بھی جو مختلف موزونی دکھانے لگے تو ان کو مختلف "بحروں" کا ابتدائی احساس ہونے لگا۔

عربوں کے دلوں میں عشق و محبت، دوستی اور عداوت، سخاوت و شجاعت کے جذبات تو پہلے ہی سے موجزن تھے اب جو رفتہ رفتہ پہلے وزن کا پھر سجع کا پھر مختلف بحور کا ابتدائی اور دھندلا تخیل ان کے دماغوں میں اُبھرا تو ان کے مُنہ سے بھی ان کے دلی خیالات، عام نثر کے مقابلہ میں ایک ترتیب اور موزونیت کے ساتھ نکلنے لگے۔ یہ تھا عربوں کا پہلا قدم شاعری کی طرف!

پہلے ان کے نثری جملے ہی سفر کی حالت میں ایک خاص وزن کے ساتھ اور سجع و قافیہ سے آراستہ ہو کر ان کے منہ سے نکلے ہوں بس اُسی کا نام "نظم و شعر" ہے جس نے عربوں کے دلوں کے ساتھ ان کے اُونٹوں تک کو مست کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین عام طور پر لکھتے ہیں کہ

"عربوں کی شاعری کی سب سے پہلی جو صنف ظاہر ہوئی وہ "حُدی" تھی"

اس کے بعد جیسے جیسے اُن کا شعور پختہ ہوتا گیا اور ان کی فطری صلاحیتوں نے تمدن کی طرف جیسے جیسے قدم بڑھائے ویسے ویسے مجمل اوزان میں تفصیل۔ مبہم سجع میں علم القوافی کی باریکیاں۔ بحور میں امتیاز قائم ہوتا گیا۔ سجع سے رجز خوانی آسان ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بقول نواد افرام لبنانی صاحب "روائع" عربوں نے جو پہلی بحر ایجاد کی وہ بحر رجز ہی ہے کیوں کہ یہ بہ نسبت دوسری بحور کے رجز زیادہ سہل ہے اور گانے میں بھی اچھی معلوم ہوتی ہے رجز خوانی ہی کی بدولت سجع اور قافیوں سے آراستہ نثری عبارتوں میں خوب مشق اور مہارت بڑھنے لگی۔ رجز کے بعد دوسری بحور دریافت ہوئیں۔

غرض عربی شاعری کی یہ بحریں دراصل ایجاد[ع] تو کیں عرب کے بادیہ نشین اور صحرا نورد طبقہ

ع یہاں ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ "خلیل بن احمد نے حجاج بن یوسف کے عہد میں ظہورِ اسلام (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

نے اور عرصہ تک یہی بحریں اپنی بے نام اور سادہ اَن گھڑ صورتوں میں برتی، گائی اور کام میں لائی جاتی رہیں مگر ایک مدت کے بعد جب دوسرے موزوں طبع لوگوں نے ان میں سے ہر ایک کا صحیح اندازہ اور ایک کا دوسرے سے فرق و امتیاز اچھی طرح معلوم اور محسوس کرلیا تو پھر عام اور خاص ہر طبقہ کے لوگ برابر انھیں اوزان و بحور میں شعر کہنے لگے اور تقریباً پانسو سال قبل مسیح سے باقاعدہ عربی شاعری شروع ہوگئی۔

عرب میں شاعر کا درجہ

عرب لوگ جو لڑکیوں کے مقابلہ میں لڑکوں اور بیٹوں کو زیادہ چاہتے تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بیٹے سے انھیں امید ہوتی تھی کہ شاید وہ بڑا ہوکر شاعر ہو اور قبیلہ اور باپ کے ناموں کو اور اپنے خاندان کے کارناموں کو سارے ملک میں مشہور اور اُجاگر کرے۔ اور اپنے قبیلہ کو پڑوس کے دوسرے حریف قبائل کے مقابلہ میں نام آور اور ممتاز بنادے۔ چنانچہ جب کوئی شاعر پہلی بار اپنی قوم کے سامنے اپنے شعر پڑھتا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس وقت وہ ایسی خوشی مناتے جیسی عموماً شادیوں میں مناتے۔ اپنی محفل سجاتے۔ گانے والی عورتوں کو بُلاتے۔ رقص و طرب میں مشغول ہوتے۔ اونٹ ذبح کرتے۔ اور برادری و احباب کی دعوت کرتے۔ پھر جب ساری قوم اور برادری مل کر شاعر کو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیتی اور سرآنکھوں پر بٹھاتی تو ہر قبیلہ کے بچے بچے کے دل میں شاعر۔ ممتاز بننے کا شوق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ۷۰ سال بعد فن عروض مکہ میں تیار کیا،، تو اس تیار کرنے سے مراد ایجاد نہیں بلکہ تدوین اور ترتیب اور تکمیل ہے۔ خلیل نے قدیم بدویوں کے سادہ گمنام۔ اَن گھڑ موزوں کلام کو دیکھ سُن کر باقاعدہ علمی طور پر ان کو مدوّن اور کتاب میں درج کیا۔ ہر ایک بحر کا الگ الگ نام رکھا۔ ہر بحر کے علل و زحافات کے —— جو گو اُس وقت تک عملی طور پر مروّج بھی رہے ہوں —— کچھ قواعد و اصول، کچھ جوازات اور کچھ ممنوعات مقرر کردئے اور بس۔ ورنہ خلیل کی اس علمی خدمت کے لئے خام مواد (غالباً ہر طرح کا) پہلے ہی سے عرب کے بدویوں میں تیار تھا اور اس فنِ عروض کی داغ بیل بادیہ نشینانِ عرب، مدتوں قبل ہی ڈال چکے تھے! پھر تاریخ بتاتی ہے کہ عرب جیسی بادیہ نشین۔ غیر متمدن اور اُمّی قوم سے اُسی کے ایجاد کئے ہوئے اس فنِ عروض کی بھیک ایران اور ہندوستان جیسے زرخیز۔ متمدن اور تہذیب یافتہ ملکوں تک نے مانگی اور نہ جانے اور کس کس ملک اور قوم نے اُن بادیہ نشینوں سے استفادہ کیا!!

پیدا ہونا لازمی تھا۔ یہی وجہ تھا کہ عرب کا بچہ بچہ شعر کہنے لگا تھا۔

عربوں کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو بچپن ہی سے مجمع کے سامنے صاف اور بے جھجک بولنا۔ شعر سنانا سکھاتے اور دکھاتے اسی کا نتیجہ تھا کہ

(الف) وہ لوگ اپنی گویائی اور زباں آوری پر ناز کرتے اور دنیا بھر میں صرف اپنے کو "عرب" گویا فصیح کہتے اور دوسری ہر قوم کو "عجم" یعنی گونگا نام دھرتے۔

(ب) ان میں تقریر اور شاعری کا رواج بہ کثرت پھیل گیا حتّٰی کہ عورتیں بھی شعر سمجھتی اور شعر کہتیں۔ حماسہ میں بہت سی عورتوں کے اشعار بھی قبائلی فخر۔ مرثیہ۔ ہجو۔ تشبیب (غزل) کے ملتے ہیں۔

(ج) اسی کا یہ اثر تھا کہ اُن میں بدیہہ گوئی اور "برجستہ نظمی" کا بھی ملکہ پیدا ہو گیا تھا

(د) اسی شعر گوئی کی کثرت سے اُن میں "نقد و تبصرہ" کرنے۔ لفظی اور فنی خامیوں کا ادراک بہت پیدا ہو گیا تھا۔

اور چوں کہ عرب ایک اَن پڑھ قوم کے لوگ تھے۔ تحریر کا ان کے یہاں رواج نہ تھا اس لئے شاعری کے اسی کثرتِ رواج کے باعث

(۱) ان کا حافظہ بلا کا قوی ہو گیا تھا۔ کیوں کہ وہ اس قوت سے برابر کام لیتے اور ہزاروں اشعار۔ بڑے لمبے لمبے قصائد زبانی یاد رکھتے۔

(۲) اپنی شاعری کے ذریعہ عرب شاعروں نے ایسے کارنامے دکھاتے ہیں جو دراصل ماہر انشا پردازوں اور سحر بیان خطیبوں اور مقرروں کے تھے مثلاً جنگ پر آمادہ کرنا۔ کسی کو اس کی رائے سے پھیر دینا۔

الشعر دیوان العرب | چوں کہ ملک عرب میں مدرسے در تعلیم کا رواج نہ تھا اور تہذیب و تمدن کی کمی کے باعث عربوں کے خیالات و افکار گھوم پھر کر ان کی محدود ملکی اور قومی مشاغل ہی کے دائرہ میں محدود رہتے۔ اُن سے باہر نہ جانے پاتے۔ اور گویائی اور شاعری کے ملکات

بھی قدرت نے بدرجۂ اتم ان کے اندر امانت رکھ دیئے تھے اس لئے وہ اپنے گردوپیش جو قدرتی مناظر دیکھتے یا انفرادی حالات پاتے یا اجتماعی معاملات ان کے آپس میں پیش آتے یا جو دلی جذبات اور قلبی واردات وہ محسوس کرتے یا اپنے مفاخر کے بیان اور حریف وہمسایہ کی تحقیر کی ادنیٰ ضرورت بھی سمجھتے تو پھر وہ ان تمام باتوں کو اپنی فطری سادگی کے ساتھ نظم و شعر میں ادا کرتے رہتے۔ چنانچہ آج جب ہم ان کی شاعری کے ذخیرے پر نظر ڈالتے تو ان کی قومی خصوصیت اور انفرادی سیرت کا ایک ایک خط وخال اس کے اندر نہایت وضاحت سے دیکھ سکتے ہیں کوئی ہوشیار سے ہوشیار مورخ بھی اگر ان کی قومی سیرت یا ملکی تاریخ تیار کرنا چاہتا تو وہ بھی عربوں کے حالات اور قومی خصوصیات اس تفصیل۔ وضاحت سے ہرگز نہ لکھ سکتا جتنا خود ان کے اپنے اشعار سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے۔

ان کی قومی خصوصیت، انفرادی سیرت اور ملکی سیاست اور حالت کیا تھی؟۔ بس یہی اُن کی بے لوث ضیافت و سخاوت، پائیدار عداوت و محبت، پختہ وعدے اور معاہدے، سچی غلامی و آقائی، زبردست جنگ و جدال، بے مثال شجاعت و ہمت، بے نظیر وفا، ومروت، صحیح قسم کی آزادی اور حریت۔ صحرانشینی و بادیہ پیمائی خانہ بدوشی اور سیر و سفر، عشق و محبت، رشک و رقابت۔ لوٹ مار، قتل و غارتگری، اونٹ بکری کا پالنا، نیل گائے و ہرن کا شکار کرنا، گورخر اور شتر مرغ کے تماشے دیکھنا۔ شیروں اور بھیڑیوں سے مٹھ بھیڑ کرنا۔ شراب پینا اور جوا کھیلنا، کھجور اور اونٹ بکری کے دودھ پر گزارا کرنا۔ اولاد سے محبت اور ان کی ذلت کے اندیشہ سے فکر مندی، قحط اور ناداری کی تکلیفیں سہنا اور سردی اور گرمی کی مصیبتیں جھیلنا وغیرہ غرض عربوں نے اپنی شاعری میں اپنے کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا اور اپنی ظاہری صورت سے لے کر اپنی باطنی سیرت تک کو پوری طرح اپنے شعری ذخائر میں کھول کر دھر دیا ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "الشعر دیوان العرب"۔ یعنی عرب کے اشعار ہی ان کی تاریخ و سیرت کا دفتر ہیں۔

عربوں کا حافظہ | عرب ایک ان پڑھ اور ان گھڑ ملک تھا اس لئے وہاں کے لوگ اپنی قومی تاریخ کو دیگر متمدن اقوام و ممالک کی طرز پر مدوّن و منضبط تو کر نہیں سکتے تھے اور اس ملک کے بنجر ہونے کی وجہ سے غیر ممالک کے لوگ بھی نہ وہاں آتے جاتے کہ انھیں کو عربوں کی تاریخ یا سیرت مرتب کرنے کا خیال ہوتا۔ مگر خدا نے اس کمی کو ایک عجیب طرح پورا فرما دیا وہ یوں کہ ایک طرف تو اُن میں گویائی اور شاعری کا مادّہ بدرجۂ اتم رکھ دیا تھا جیسا ہم مفصل اوپر لکھ آئے ہیں اور دوسری طرف ان کو حیرت انگیز قوتِ حافظہ عطا فرما دی اور وہ لوگ بلا کے ذہین اور بے نظیر حافظہ کے مالک تھے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ تحریر اور ضبطِ واقعات کا ان کے ملک میں کوئی انتظام نہ تھا اور عین ممکن تھا کہ یمن کے قحطانی قبائل کی تہذیب اور تاریخ کی طرح عدنانی قبائل کا بھی سارا تاریخی اور ادبی سرمایہ فنا ہو جاتا۔ مگر یہ ان کے غیر معمولی حافظہ ہی کا کمال تھا کہ ان کے علوم، ان کی تاریخ، ان کا ادب، صدیوں تک پُشت در پُشت کمال صحت و حفاظت سے برابر سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آیا اور ایک مقدس امانت کی طرح ان کے حافظوں نے یہ سارا ذخیرہ اہل تحریر اور اہل تاریخ کے سپرد کر دیا۔

وہ قوم جو نہ صرف اپنے آبا و اجداد کے نسب بلکہ دوسرے قبائل کے انساب کو بھی بیس بیس پُشتوں تک پوری صحت کے ساتھ نوکِ زبان رکھتی اور اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے گھوڑوں اور اپنے اونٹوں تک کا سلسلۂ نسب بھی محفوظ رکھتی۔ وہ بھلا اپنے ہی ادب کو ـــــ جس میں ان کے قابلِ فخر ایام و وقائع، ان کے قابلِ رشک نسب، ان کی مایۂ ناز شجاعت و سخاوت، ان کے محبوب مشاغل اور رنگین مجالس کے کارنامے مذکور تھے ـــــ کیوں کر محفوظ نہ رکھتے؟ چنانچہ عربوں میں جو لوگ ادب کے حفظ میں ماہر اور صاحبِ کمال ہوتے ان کی عربوں میں بڑی عزت تھی۔ ان کو "راوی" کہا جاتا تھا۔ آج ہم کو چاہے حسبِ ذیل واقعات کا یقین نہ آئے لیکن اہلِ تاریخ نہایت وثوق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:-

(۱) عرب میں ایک شخص حمّاد نامی تھے ان کے حروفِ ہجا میں سے ہر ہر حرف پر

ختم ہونے والے ایک ایک ہزار قصائد یاد تھے۔ اس کے معنے یہ ہوئے ان کو اٹھائیس ہزار قصائد زبانی یاد تھے۔ جن میں سے ہر ایک قصیدہ بیس[۲] سے لے کر سو اشعار تک ہوتے تھے!! مشہور ہے کہ عباسی دور میں خلیفہ ولید کو اس کا یقین نہیں آتا تھا تو اس نے حماد کو طلب کیا اور ان کا امتحان لیا۔ امتحان میں ان کو ویسا ہی پایا جیسا سنا تھا تو ان کو ایک لاکھ درہم انعام میں عطا کیے۔

(۲) قبیلہ طے میں ایک شخص ابو تمام حبیب ابن اوسی تھے۔ ان کو صرف زمانہ جاہلیت کے چودہ ہزار قصائد یاد تھے اور متفرق ابیات و قطعات ان کے علاوہ بھی یاد تھے ان کا بھی امتحان لوگوں نے لیا۔ انھوں نے عربوں کے اشعار کا ایک نہایت نادر انتخاب اور مجموعہ تیار کیا ہے جو "حماسہ" کے نام مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کو جتنے اشعار زبانی یاد تھے ان کی مجموعی تعداد ڈھائی لاکھ تھی!!

(۳) عرب میں اصمعی نام ایک نہایت مشہور شخص ادب اور لغت کا ماہر گزرا ہے اس کو عربوں کے سولہ ہزار قصائد زبانی یاد تھے۔

(۴) ایک شخص ابو ضمضم نامی نے ایک بار ایک عرب رئیس کے دربار میں صرف ایسے سو شاعروں کا کلام سنایا جن میں سے ہر ایک کا نام عمرو تھا۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ عربوں کی شاعری کا کُل ذخیرہ اتنا ہی تھا جو مذکورہ بالا چار راویوں کے سینوں اور حافظوں میں تھا۔ ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ "عہد جاہلیت کا کلام بہت کم مل سکا ہے کیوں کہ ان کا تو بچہ بچہ شاعر تھا ان کا سارا کلام اس ذخیرہ سے کئی گنا زیادہ رہا ہوگا جو آج ہم کو ملتا ہے۔"

شعرائے عرب کے طبقات: زمانہ کے اعتبار سے عربی شعراء کے چار طبقات ہیں:-

۱۔ جاہلی: ظہور اسلام سے قبل کے شعرا۔

۲۔ مُخضرمی: وہ شعراء جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی شعر کہے اور اسلام لانے

کے بعد بھی کہے۔

۳۔ اسلامی: وہ شعرا جن کی نشو و نما اسلام میں ہوئی اور ان کی عربیت مٹنے نہیں پائی (بہ الفاظ دیگر عہد اموی کے شعرا)

۴۔ مولدین: وہ شعرا جو عربوں اور عجمیوں کے اختلاط اور عربیت فنا ہونے کے بعد پیدا ہوتے یعنی عہد عباسی کے شعرا

جاہلیت کے مشہور شعرا

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ عربی شاعری کا ابو الآبا مُہلہِل ہے مگر خود اس کے اشعار اور اس کے عہد کے دوسرے لوگوں کے اشعار میں الفاظ کی بندش۔ خیالات کی روانی۔ طرزِ ادا کی صفائی وغیرہ دیکھ کر ہرگز یقین نہیں ہوتا کہ عربی شاعری بالکل ابتدا ہی میں اس قدر نکھر گئی ہوگی اصل یہ ہے کہ عربی شاعری مُہلہِل سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی اور گو ہر نئی پشت اپنی شاعری کو پچھلی پشتوں کی شاعری کے مقابلہ میں زیادہ شُستہ اور رفتہ بناتے اور نکھارتے چلے آتے تھے مگر پھر بھی مُہلہِل کے وقت تک وہ اس قدر مرتب اور اس قدر مؤثر نہیں ہونے پائی تھی کہ لوگ اس کے یاد رکھنے پر مجبور ہوتے۔

البتہ پہلا قابل ذکر جاہلی شاعر مُہلہِل تھا جس کا کلام مدوّن شدہ جاہلیت کے اشعار میں سے سب سے پہلا ہے کیوں کہ اس کے کلام میں ایک نمایاں جلا اور صفائی۔ ایک ممتاز زور ادا تاثیر اور ناقابل فراموشی شیرینی اور دل کشی پائی جاتی ہے کہ لوگ بے اختیار اس کو یاد رکھنے اس پر فخر کرنے اور وقت ضرورت سند و استشہاد میں پیش کرنے لگے۔ پس اگر ہم جاہلی شعرا مشاہیر کی فہرست تیار کریں تو ہمیں سب سے پہلے مہلہل کو اس میں جگہ دینی پڑے گی۔ مشاہیر شعرا جاہلیت عموماً یہ بتائے جاتے ہیں:۔

مہلہل۔ امرؤ القیس۔ طرفہ۔ لبید۔ زُہیر۔ ابن کلثوم۔ حارث۔ عنترہ۔ نابغہ ذُبیانی۔ اعشیٰ۔ عبید۔ علقمہ۔ تأبط شرا۔ شنفری۔ منخّل۔ مرقش اکبر۔ جریر۔ امیہ۔ ابو کبیر۔ حاتم طائی۔ سموئل براق وغیرہ۔

ان مرد شعرا کے علاوہ عرب جاہلیت کی بہت سی شاعر عورتیں بھی بہت مشہور ہیں۔ مثلاً ام ثابت۔ ام الصریح وغیرہ۔

ان مذکورہ مرد شعرا میں مہلہل اگرچہ بقیہ سب سے پہلے ہوا ہے اور اس لئے پہلے اُسی کا تذکرہ کیا جانا مناسب تھا لیکن اس کے بعد کے دس نام اُن مشاہیر کے ہیں جن کے دامن سے "معلّقات یا سموط"، جیسے غیر فانی ادبی کارنامے وابستہ ہیں اور ان کو" اصحاب المعلّقات" کے نام سے پکارا جاتا ہے اس لئے معلّقات اور اصحاب المعلّقات کا تذکرہ پہلے یکجا کر دینا بے جا نہ ہوگا۔

معلّقات | مہلہل کے ہم عصر یا اس کے زمانہ سے بالکل ہی متّصل متعدد شعرا ایسے تھے جن کے بعض قصائد متفقہ طور پر بہت پسند کئے گئے ان شعرا کا درجہ نہایت ممتاز مانا گیا لیکن ایسے ممتاز قصائد کی تعداد کتنی ہے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں:۔

۱۔ بعضوں کے نزدیک ایسے قصائد کی تعداد سو سے زائد ہے۔

۲۔ کتاب جمہرۃ اشعار للعرب میں ایسے قصائد اُنچاس بتائے گئے ہیں جو اُنچاس ہی شعرا کے کلام کے بہترین قصائد ہیں:۔

۳۔ حمّاد راویہ نے ۱۵۶ھ (عہد عباسی) میں ایسے قصائد کا انتخاب کیا تو سات قصائد جمع کئے اور ان کو "سبع معلّقات" کہا۔

۴۔ تبریزی نے بہترین قصائد دس کی تعداد میں انتخاب کئے اور ان کو "معلّقات عشر" کا نام دیا۔

جس طرح ایسے قصائد کی تعداد میں اختلاف ہے اُسی طرح لفظ معلّقات کے معنوں اور وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے:۔

۱۔ بعض کے نزدیک وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جو قصیدہ سب سے بہتر اور عمدہ تر مانا جاتا تھا اُسے سنہرے حروف میں ریشم پر لکھ کر خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیتے تھے۔

تاکہ یا تو لوگ اس کی غلطی نکالیں یا پھر اس کے ناظم و مصنف کو "ملک الشعراء و سید الشعراء" تسلیم کریں۔ چوں کہ ان قصائد کو سنہرے حروف سے ریشم پر لکھوایا گیا تھا اس لئے ان کو "مذہبات" کہتے اور چوں کہ ان کو آویزاں کیا گیا تھا اس لئے ان کو "معلقات" کہتے، مگر مذہبات کا لفظ مشہور نہ ہو سکا معلقات مشہور ہو گیا یہ وجہ تسمیہ زیادہ مشہور ہے اور حماد راویہ۔ ابن عبد ربہ (مصنف عقد الفرید) اور احمد نحاس بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہی احمد نحاس دوسری جگہ اس روایت کو بے بنیاد بھی کہتے ہیں۔

۲۔ بعض کا خیال ہے کہ چوں کہ عربی میں لفظ علق کے معنی نفیس اور قیمتی چیز کے ہیں اس لئے معلقات جو ان قصائد کو کہا تو اس لئے کہا کہ یہ بہترین اور نفیس ترین مانے گئے ہیں۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ معلقات اُن چیزوں کو کہتے ہیں جن کو کسی ذخیرے میں بہترین چیزیں سمجھ کر چھانٹ کر نکالا جائے چوں کہ یہ قصائد تمام ذخیرۂ ادب جاہلی میں سے چھانٹ اور چُن کر الگ کئے گئے ہیں اس لئے ان کو معلقات کہتے ہیں (اس لئے یہ معنی دوسرے معنی کا مرادف ہوگا)

۴۔ بعض اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ معلقات ہار کو کہتے ہیں جن کو گلے میں لٹکایا جاتا ہے اور یہ قصائد بھی ایسے دل کش اور قابل قدر ہیں کہ یہ گلے میں حفاظت سے لٹکائے جانے کے قابل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان قصائد کو "سموط" بھی کہتے ہیں (سمط معنی ہار) بہر صورت ان کی وجہ تسمیہ چاہے کچھ بھی ہو۔ اس قدر تو بہر حال مسلّم ہے کہ یہ سات یا دس قصائد بہترین قصائد عرب ہیں۔ اب آگے ہم ان کے شعرا کا مختصر حال لکھتے ہیں:۔

اصحاب المعلّقات

امرؤ القیس

اس کا نام حندج اور اس کے باپ کا نام حجر تھا قبیلہ کندہ (صوبہ نجد) کا ایک

نواب زادہ تھا۔ عام طور پر امرؤ القیس کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو الملک الضلیل (شاہ گمراہ یا بگڑا نواب) کا لقب دیا تھا اور ایک خاص واقعہ کے باعث لوگوں نے اسے ذو القروح (آبلوں والا) کا لقب دیا۔

عرب جیسے اَن پڑھ اور اَن گھڑ ملک و قوم میں رئیسوں اور نوابوں کی عادات و اطوار یوں بھی بگڑے ہوئے ہوتے تھے مگر ان سب میں یہ نواب زادہ تو اور بھی چار ہاتھ بڑھ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی سوتیلی ماؤں سے بھی اظہار عشق کیا تھا۔ اور خاندان کی دوشیزائیں اکثر اس کی ہوس کا شکار بن جاتی تھیں۔ اس کے باپ حجر کو کسی بات پر قبیلہ بنو اسد نے قتل کر دیا تھا۔ حُندج عرف امرؤ القیس نے انتقام لینے کی قسم کھالی اور قاتلوں سے کئی بار لڑا اور اکثر اپنے دشمنوں پر فتح پائی لیکن کسی وجہ سے حیرہ کے بادشاہوں کو امرؤ القیس سے کچھ ضد اور کد پیدا ہو گئی تھی انھوں نے عرب کے کئی قبیلوں کو امرؤ القیس کے خلاف بھڑکا دیا۔ امرؤ القیس اس صورتِ حال کا زیادہ دنوں تک مقابلہ نہ کر سکا آخر اُس نے گھبرا کر ہمسایہ عیسائی نوابوں سے مدد مانگی اور سموئل بن عادیا نامی ایک یہودی رئیس کے یہاں طلب مدد میں خود گیا اُس نے قیصرِ روم کے نام اس کی سفارش کا خط لکھ دیا۔ امرؤ القیس نے اپنے کچھ ہتھیار اور زرہیں سموئل کی حفاظت میں چھوڑیں اور خود قیصرِ روم کے یہاں مدد لینے گیا۔ سموئل کا سفارشی خط جب قیصر نے دیکھا تو اپنی کچھ فوج امرؤ القیس کو دینے کا وعدہ کیا۔ جب امرؤ القیس چند دنوں کے قیام کے بعد وہاں سے چلنے لگا تو حسبِ وعدہ قیصر کی کچھ فوج اس کے ہمراہ چلی۔ جب امرؤ القیس کچھ دور چلا گیا تب قیصر کو خبر لگی کہ امرؤ القیس نے یہاں اپنے قیام کے زمانہ میں میری بیٹی سے خفیہ آشنائی شروع کر دی تھی اس پر اُسے بڑا غصہ آیا اور اُس نے فوج تو واپس بلا لی اور ایک زہر آلود قبا شاہی انعام کے طور پر امرؤ القیس کے پاس بھیجی۔ اس کا پہننا تھا کہ اس کے بدن میں آبلے پڑ گئے۔ اس طرح زہریلے آبلوں سے وہ راستہ ہی میں مر گیا اور اس کے ساتھیوں نے انگورہ میں اُسے دفن کر دیا یہ واقعہ ۵۶۰ء کا ہے۔ بعض مورخین نے کہا ہے کہ امرؤ القیس

قیصر روم کے یہاں سے بغیر کسی فوج کے اپنے عربی ساتھیوں ہی کے ہمراہ واپس آرہا تھا راستہ میں اچانک بیمار پڑا اور اس کے سارے بدن میں از خود آبلے پڑ گئے جن کی وجہ سے وہ مرگیا کہتے ہیں کہ اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اس کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کچھ قبل تھا کیوں کہ آپ کی ولادت شریفہ ۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔

تبصرہ ۱۔ اگرچہ اس کے عہد میں عرب کے دو مشہور شاعر اور بھی تھے ایک تو اس کا ماموں مُہلہل بن ربیعہ اور دوسرا ابو دُواد ایادی۔ تاہم بالاتفاق یہ امرؤ القیس تمام جاہلی شعرا میں سب سے بڑھ کر تھا۔

۲۔ قصائد کی تشبیب میں محبوبہ کے کھنڈروں پر رونے اور ماضی کی یاد کرنے کے لئے دوستوں کو بھی روکنے کا جذبہ آفریں طرز سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا۔

۳۔ حسینوں کو ہرنوں اور نیل گایوں سے تشبیہ سب سے پہلے اسی نے دی۔

۴۔ گھوڑے کی بے مثل تعریف اور اپنی شہسواری کا بیان قصائد میں سب سے پہلے اسی نے کیا۔ چنانچہ اپنے معلقہ میں گھوڑے کو عُقاب۔ پتھر کی چٹان اور بارش کے قطرہ سے تشبیہ کا موجد یہی ہے۔ اردو میں میر انیس دہلوی نے مراثی میں جو گھوڑے کی تعریف کی ہے وہ اس کے تتبع میں کی ہے۔

۵۔ اپنے ماموں مُہلہل کی طرح عورتوں سے اختلاط اور چھیڑ چھاڑ کے معاملات اور اس سلسلہ میں شرمناک حد تک عُریاں نگاری اس کے یہاں بھی ہے مگر معاملہ بندی اس کے یہاں مُہلہل سے زیادہ عمدگی سے پائی جاتی ہے۔

اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

وَقَدْ اَغْتَدِی وَالطَّیْرُ فِی وُکُنَاتِھَا　　　بِمُنْجَرِدٍ قَیْدِ الْاَوَابِدِ ھَیْکَلِ

مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعاً　　　کَجُلْمُودِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّیْلُ مِنْ عَلِ

تُضِیْئُ الظَّلَامَ کَاَنَّھَا مَصَابِیْحُ　　　مَنَارَةُ مُمْسیٰ رَاھِبٍ مُتَبَتِّلِ

۲۔ طَرَفَہ

تذکرہ | اس کا نام طرفہ اور اس کے باپ کا نام عبد تھا۔ طرفہ کی کُنیت ابو عمرو تھی۔ قبیلۂ بکر بن وائل کا ایک فرد تھا۔ یہ امرؤ القیس کے مرنے سے ۳۰ سال بعد ۵۹۰ء میں پیدا ہوا۔ یہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ اس کا باپ قضا کر گیا۔ جب پیدا ہوا تو چچا نے اس کی کفالت اور پرورش اپنے ذمہ لی شعور آنے کے بعد ہی عیاشی اور بیہودہ زندگی کی لت پڑ گئی اور زندگی کے دن شراب نوشی۔ قمار بازی۔ ہجو گوئی۔ شاعری وغیرہ میں گزارنے لگا۔ ایک بار اس کا ماموں جریر کسی کام سے عمرو بن ہند شاہ حیرہ کے پاس جا رہا تھا۔ یہ بھی ہمراہ ہو لیا۔ اسے توقع تھی کہ بادشاہ کے یہاں سے شاید یہ بھی شاہی انعام پا سکے گا۔ جس سے یہ اپنی حالت درست کر سکے گا۔ مگر بدمزاجی اور ہجو گوئی کی عادت پڑ چکی تھی اس لئے وہاں بھی کسی بات پر خفا ہوا اور بادشاہ کی ہجو کہدی۔ بادشاہ نے اس ہجو کا حال سُن لیا اُس نے اپنے ظاہری برتاؤ میں فرق نہ آنے دیا۔ لیکن دل میں کینہ رکھے رہا۔ آخر اُس نے طرفہ سے کہا کہ تم بحرین کے گورنر کے پاس میرا یہ خط لے کر جاؤ۔ تمہیں بحرین سے انعام ملے گا۔ یہی وعدہ اُس بادشاہ نے جریر متلمس سے بھی کیا اور دونوں کو ایک ایک سربمہر فرمان گورنر بحرین کے نام دیا۔ یہ دونوں فرمان لے کر بحرین کی طرف روانہ ہوئے۔ جریر متلمس کو راستہ میں یکایک خیال پیدا ہو گیا کہ بادشاہ نے طرفہ کی ہجو کا انتقام نہیں لیا کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس نے گورنر بحرین کو طرفہ کے قتل کا حکم لکھ دیا ہو اور میں چونکہ اس کے ساتھ آیا ہوں کہیں شاہی عتاب میں میں بھی نہ آ جاؤں یہ سوچ کر اس نے طرفہ سے کہا کہ بادشاہ نے خود انعام کیوں نہ دیا۔ کہیں اس خط میں اس نے ہم کو سزا دینے کا حکم نہ دیا ہو میرے نزدیک تو مناسب ہے کہ ان فرمانوں کو کھول کر کسی سے پڑھوا لینا چاہئے۔ طرفہ نے کہا کہ فرمان سربمہر ہیں ان کے کھولنے سے مہر ٹوٹ جائے گی پھر ہم گورنر کے سامنے پیش بھی نہ کر سکیں گے۔ اس لئے اسے پڑھوانا مناسب نہیں۔ جریر متلمس کے دل میں شک بڑھتا گیا آخر اُس نے کسی بستی میں پہونچ کر فرمان کھول کر پڑھوایا تو اس میں حامل رقعہ کے

قتل کا حکم سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے طرفہ سے کہا کہ جب میرے فرمان میں میرے قتل کا حکم لکھا ہے تو یقین ہے کہ تیرے فرمان میں بھی قتل ہی کا حکم ہوگا تو بھی فرمان کھول کر پڑھوا لے مگر طرفہ نے منظور نہ کیا اس نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ جو تمہارے فرمان میں درج ہے وہی میرے فرمان میں بھی درج ہو۔ جریر متلمس نے بہت بہت سمجھایا مگر طرفہ نہ مانا۔ آخر جریر نے کہا کہ میں تو یہاں سے گھر واپس جاتا ہوں اور تجھ سے بھی کہتا ہوں کہ تو بحرین نہ جا گھر واپس چل۔ مگر طرفہ باز نہ آیا۔ غرض جریر متلمس نے تو غسانی بادشاہوں کے پاس جا کر پناہ لی اور طرفہ انعام کی لالچ اور بادشاہ پر اعتماد کرتا ہوا بحرین پہنچا اس نے خط دیکھ کر پہلے طرفہ کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے پھر زندہ زمین میں دفن کر دیا۔ اس طرح یہ ہونہار شاعر چھبیس ہی برس کی عمر میں ۵۶۵ء میں مر گیا۔

تبصرہ (۱) اس جواں مرگ شاعر نے باوجود کم عمری کے اپنے جوہر خداداد کے باعث اپنی جگہ شعراء عرب کی صف اول میں بنالی۔ یہاں تک کہ حضرت لبیدؓ جو خود ایک زبردست شاعر اور صاحب معلقہ ہیں کہتے ہیں کہ اشعر العرب امرؤ القیس ہے اور اس کے بعد وہ بنو بکر کا نوخیز شاعر!

۲۔ کسی کے وصف کے بیان میں طرفہ صرف اس کی ذاتی خوبیاں ہی بیان کرتا ہے مبالغہ کرنا اس کا طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر کہیں مبالغہ کرتا بھی ہے تو اپنی فطری میانہ روی اور سلامت ذوق کے باعث اس میں غلو اور حد سے تجاوز نہیں ہونے دیتا۔ واقعیت اور صداقت بیان اس کی خصوصیت ہے۔

۳۔ منظر نگاری اور اس کی جزئیات کی تفصیل اس کا خاص میدان ہے۔

۴۔ اگرچہ امرؤ القیس کے تتبع میں محبوب کے کھنڈروں پر رکنا اور رونا اور اپنی سواری کی تعریف بیان کرنا اس نے بھی اختیار کیا ہے لیکن اس پر اکثر ادبار کا اتفاق ہے کہ اونٹنی کی تعریف جیسی طرفہ کر گیا ہے ایسی کسی نے نہیں کی ہے۔

۵۔ فخریہ مضامین۔ اپنی بے راہ روی کا ذکر بھی کرتا ہے تو متانت اور خودداری کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور اوچھاپن کلام میں نہیں آنے دیتا حالانکہ ان مضامین میں بے اعتدالی کا بہت

امکان رہتا ہے۔

۶۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کلام میں پیچیدہ تراکیب، مغلق الفاظ اور نامانوس لغات کے استعمال کا بھی بڑا شائق ہے

نمونہ کلام یہ ہے:۔

اری الموت یعتام الکرام و یصطفی	عقیلۃ مال الفاحش المتشدد
اری العیش کنزاً ناقصاً کل لیلۃ	وما تنقص الایام والدھر ینفد
وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضۃ	علی المرء من وقع الحسام المھند

۳۔ زہیر

تذکرہ اس کا نام زُہیر اور اس کے باپ کا نام ابو سلمیٰ ربیعہ تھا۔ بنو مُزینہ کے قبیلہ کا مشہور شاعر تھا۔ اگرچہ زہیر کا باپ ربیعہ بھی شاعر تھا اور زہیر کو شعر و شاعری سے لگاؤ کے لئے یہ بھی کافی تھا مگر زہیر نے اپنے ننہال قبیلہ بنو غطفان میں پرورش پائی تھی اور وہاں کا بچہ بچہ شاعر تھا۔ مرد تو مرد اس قبیلہ کی عورتیں بھی مشہور شاعرہ تھیں۔ چنانچہ اپنے نانا (یا ماموں) بشامہ کی صحبت میں پرورش پا کر زُہیر نے ننہال کی شاعری کا گویا ورثہ پایا اور بہت وقار متانت اور سنجیدگی سے زندگی بسر کرنے لگا۔

اتفاق سے جب زُہیر کی شادی ہوئی تو خسر بھی شاعر تھے جن کا نام اوس بن حجر تھا۔ زُہیر کے باپ۔ نانا۔ خُسر تو شاعر تھے ہی اس کی دو بہنیں خنسا اور سلمیٰ بھی مشہور شاعرہ تھیں پھر زُہیر کے دو بیٹے ایک کعب ابن زہیر اور دوسرے مالک ابن زہیر بھی شاعر تھے غرض ع

این خانہ تمام آفتاب است

زہیر بڑا دولتمند۔ نہایت متحمل اور باوقار و سنجیدہ۔ آخرت کا ماننے والا۔ برائیوں سے احتراز کرنے والا انسان تھا۔ سبعہ معلقہ میں اس کا قصیدہ تیسرا ہے اس میں اس نے دو رئیسوں کی جن میں ایک حارث بن عوف مُری دوسرے ہرم بن سنان مُری تھے بڑی تعریف

کی ہے اور حق یہ ہے کہ ان دونوں رئیسوں نے کام بھی ایسا ہی کیا تھا کہ دنیا ان کی تعریف کرتی۔ قبیلہ عبس اور ذبیان کی مشہور لڑائی "حربِ داحس و غبرا" کا سلسلہ چالیس برس سے چھڑا ہوا تھا اور کسی طرح ختم ہونے ہی نہیں آتا تھا۔ طرفین ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے کہ ان دونوں رئیسوں نے دونوں قبائل میں صلح کرانی چاہی تو ایک فریق نے اپنے قبیلہ کے پہلے مقتول کے خون بہا کا مطالبہ فریق ثانی سے کیا۔ فریق ثانی خون بہا دینا اپنی ذلت اور شکست تصور کرتا تھا۔ آخر ان دونوں رئیسوں نے محض انسانی ہمدردی میں اپنے مال سے خوں بہا ادا کر کے دونوں قبائل کے درمیان صلح کرا دی۔ یہ واقعہ چوں کہ عرب میں اپنی نوعیت کا سب سے پہلا واقعہ تھا اس لئے ہر شخص ان رؤسا کا مداح تھا نہ کہ زہیر جو شاعر کا حساس دل، اور تیز احساس اور گویا زبان رکھتا تھا اس نے اپنے معلقہ میں ان کی بڑی اور سچی تعریفیں کی ہیں۔

ہرم بن سنان بھی ایسا فیاض شخص تھا کہ زہیر جب اُس کی مدح کرتا تو وہ زہیر کو ایک گھوڑا یا ایک باندی ضرور انعام میں دیتا تھا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک بار ہرم کے بیٹے سے فرمایا "تیرے باپ ہرم نے زہیر کو جو خلعتیں دیں وہ تو فنا ہو گئیں مگر زہیر نے تیرے باپ کو جو مدح کا لباس پہنایا وہ مدتوں دنیا میں باقی اور یادگار رہے گا۔"

زہیر نے ۱۹۶ ق ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ایک سال قبل انتقال کیا۔

نقشِ حکمت

جناب احمق پھپھوندوی کے نام سے ہندوستان کا تقریباً ہر پڑھا لکھا واقف ہے آپ کا شمار ہندوستان کے معدودے چند شعراء میں ہے آپ کے کلام کا انداز ظرافت، رنگینی اور شوخی کے ساتھ پُر حکمت بھی ہوتا ہے "نقشِ حکمت" احمق صاحب کے کلام کا بہترین مجموعہ ہے۔ مجموعہ کو تین عنوانوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اشارات، عبارات، خطابات، آخر میں منتخب غزلیات کا حصہ ہے۔ صفحات ۳۲۰ قیمت مجلد تین روپے